ایک مسلمان ملک کی تعلیمی پالیسی کے بنیادی خدوخال

آج سے تقریباً چالیس سال قبل حکومت پاکستان کی طرف سے ایک تعلیمی پالیسی شائع ہوئی تھی، اس پالیسی کو سامنے رکھ کراس وقت کے اکابر علماء کی ایک جماعت نے ایک مسلمان ملک کی تعلیمی پالیسی کے بنیادی خدوخال پر بڑی فکر انگیز تحریر کی صورت میں روشنی ڈالی تھی، ایک مسلمان ملک وقوم کا نظام تعلیم کیا اور کیسے ہونا چاہئے؟ تعلیم کے اہداف ومقاصد اور ملی تربیت کے اصول کیا ہونے چاہئیں؟ عصری اور اسلامی تعلیم، کالج ویونیورسٹی اور دینی مدارس کی تعلیم میں ہم آہنگی کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ قومی یکجہتی میں نظام تعلیم وتربیت کی کس قدر ضرورت ہے اور اس کے لئے درست سمت میں کون سے اقدامات کرنے چاہئیں...... اکابر علماء کی کمیٹی نے اس کے لئے اپنی سفارشات، تجاویز مرتب کر کے اس وقت شائع کی تھی، کمیٹی کے ارکان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے اساطین علم شامل تھے، چالیس سالہ قدیم یہ فکر انگیز تحریر ماہنامہ وفاق المدارس کے قارئین کی افادیت کے لئے شائع کی جارہی ہے، امید ہے اس سے جہاں اہل مدارس فائدہ اٹھائیں گے، وہاں اتحاد تنظیمات مدارس اور حکومت کے درمیان ہونے والے معاہدوں اور مذاکرات میں بھی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ (مدیر)

حال ہی میں ایئر مارشل نور خاں صاحب ڈپٹی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان کی طرف سے جو نئی تعلیمی پالیسی شائع ہوئی ہے وہ بنیادی طور پر امید افزا اور قابل قدر ہے، پاکستان کی بیس سالہ تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ تعلیم جیسے اہم اور بنیادی مسئلے پر ایک آزاد مسلمان قوم کی حیثیت سے غور کیا گیا ہے اور موجودہ نظام تعلیم کا حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لے کر اس کو پاکستان کے مخصوص قومی حالات، ملی مزاج اور اس کی نظریاتی بنیادوں کے مطابق بنانے کی

کوشش کی گئی ہے۔

اور سب سے زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ کسی مخصوص طبقے یا جماعت کے خیالات کو قوم پر مسلط کرنے کا وہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا جو اس سے پہلے اکثر ہوتا رہا ہے بلکہ کھلے دل کے ساتھ قوم کے ماہرین تعلیم سے اس اسکیم پر تبصرہ اور تجاویز طلب کرنے کے لئے ایک وسیع وقت دیا گیا ہے۔

ہم اس طریق کار کا گرمجوشی سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اجتماعی طور سے غور وفکر کرنے کے بعد اس پالیسی سے متعلق اپنی رائے اور وہ امور ذیل میں پیش کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک اس پالیسی کے مبارک مقاصد حاصل کرنے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں:

1- تعلیم کا مقصد: سب سے پہلی اور بنیادی چیز جس کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہماری قوم کے سامنے تعلیم کا ایک اعلیٰ مقصد اور بلند نصب العین ہونا چاہئے۔ لارڈ میکالے کے لائے ہوئے نظام تعلیم کا مقصد ہی چونکہ سرکاری ملازم پیدا کرنا تھا، اس لئے اس نظام کے اثر سے یہ بات ہمارے طلباء کے رگ وپے میں سرایت کر چکی ہے کہ پڑھنے لکھنے کا مقصد اچھی ملازمتوں کے حصول سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ہر علم وفن کو حاصل کرتے وقت ان کے سامنے اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ کوئی اچھا ذریعہ معاش پیدا کیا جائے، لہٰذا تعلیم کے سلسلے میں ان کی ساری کاوشیں اسی مقصد کے گرد گھومتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں خواہ تعلیم کتنی ہی پھیل جائے، نہ اس سے ملک کو اجتماعی سطح پر کوئی خاطر خواہ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی ایسی قوم وجود میں آسکتی ہے جو اپنی روٹی اور پیٹ سے آگے کچھ سوچ سکتی ہو۔ لہٰذا تعلیم کے سلسلے میں سب سے پہلے طرز فکر کے اندر یہ بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف حصول معاش نہیں، بلکہ ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول اور پوشیدہ صلاحیتوں کا نکھار ہے، اور ان چیزوں کے ذریعہ ہر فرد کو ملک وملت بلکہ پوری انسانیت کی حقیقی خدمت کے لئے تیار ہونا ہے۔

نئے نظام تعلیم کے ذریعہ یہ بات ہمارے ہر پڑھے لکھے شخص کے دماغ اور قلب وروح میں سما جانی چاہئے کہ ایک تعلیم یافتہ انسان کا مقصدِ زندگی اپنے لئے بہتر وسائل معاش حاصل کر کے ہرگز پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کا اصل مقصد اپنے علم، اپنے فن، اپنی ذہانت اور اپنی صلاحیت کے ذریعہ خود اپنے نظریات، اخلاق وکردار کو بہتر بنانا اور ملک وملت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا ہے، معاش کا حصول تعلیم کا ثانوی مقصد تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا اولین مقصد، محرک اور نصب العین نہیں۔

زیر تبصرہ تعلیمی پالیسی میں اگرچہ بنیادی طور پر اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ موجودہ تعلیمی نظام قوم کو صحیح مقصد دینے سے قاصر رہا ہے، لیکن اس حقیقت کو پوری طرح نمایاں نہیں کیا گیا بلکہ جگہ جگہ تعلیم کے ساتھ اقتصادی خوشحالی کا تذکرہ غلط تاثر پیدا کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی تعلیمی پالیسی میں مقصد کی درستی کو بنیادی اہمیت دی جائے اور عملی طور پر صحیح مقصد کو قوم کی رگ وپے میں سرایت کرانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا جائے۔

اسلامی نظام تعلیم کا مطلب: زیرِ تبصرہ تعلیمی پالیسی میں کئی مقامات پر اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ پاکستان اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا، لہٰذا یہاں کا نظام تعلیم بھی اسلام پر مبنی ہونا چاہئے۔ ہم یہاں قدرے وضاحت کے ساتھ اس بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں کہ ''اسلامی نظام تعلیم'' کا کیا مطلب ہے اور اسے نافذ کرنے کی صحیح صورت کیا ہے؟

نصاب کی تدوین نو: انگریزی اقتدار کے عہد میں ہم پر جو نظام تعلیم مسلط کیا گیا تھا اس میں دوسری خرابیوں کے علاوہ ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ اس میں اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں سے کاٹ کر عبادتوں اور نجی زندگی کے چند معاملات تک محدود کر دیا گیا تھا۔ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ اسلام، زندگی کا ایک مکمل نظام ہے اور وہ حکومت وسیاست سے لے کر تجارت ومعیشت تک زندگی کے ہر شعبے کے لئے اپنی مخصوص تعلیمات اور ہدایات رکھتا ہے۔ لہٰذا جس وقت دنیا میں یہ دین عملاً نافذ تھا، اس وقت نظام تعلیم کا حال بھی یہ تھا کہ اسلام کی تعلیم صرف اسلامیات کے مضمون کی حد تک محدود نہ تھی، بلکہ ہر علم وفن کی تعلیم میں اسلام رچا بسا نظر آتا تھا۔ طالب علم فلسفہ پڑھ رہا ہو یا منطق، سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا ہو یا حساب اور ریاضی کی، طب کی تعلیم میں مشغول ہو یا صنعت وحرفت کی تعلیم میں، غرض ہر علم وفن کے رگ وریشہ میں اسے اسلامی نظریات اور مفکرین اسلام کے افکار یا کم از کم اسلامی طرز فکر سمایا ہوا ملتا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ علم وفن کے خواہ کسی گوشے کو اپنی زندگی کا محور بنالے وہ ذہنی اور عملی طور پر سچا اور پکا مسلمان ہوتا تھا اور اس کے دل ودماغ میں اسلام کے مقابلے میں دوسرے افکار سے مرعوبیت پیدا ہو ہی نہیں سکتی تھی، یہ نظام تعلیم اس میں اتنی صلاحیت پیدا کر دیتا تھا کہ وہ ہر نئی فکر، نئی تحقیق اور نئے فلسفے سے اس کے صالح اجزاء کو اپنالے اور غیر صالح کو چھوڑ دے۔

لیکن موجودہ نظام تعلیم میں اسلام کی اس ہمہ گیر حیثیت کو سرے سے ختم کر دیا گیا۔ اسلام کو صرف ''اسلامیات'' کے ایک گھنٹے تک محدود کر دیا گیا ہے اور اس ایک گھنٹے میں بھی نصاب اور طرز تعلیم کے معیار کو اس قدر پست کر دیا گیا ہے کہ اس سے اسلام کی صحیح تعلیم کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کے سامنے نہیں آسکتا۔ یہ بات چند مثالوں سے واضح ہو سکے گی:

(۱)...... آج کل ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جو فلسفہ پڑھایا جاتا ہے اس میں یونانی یا نو افلاطونی فلسفے کے بعد طالب علم سیدھا یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے بعد کے فلسفے پر پہنچ جاتا ہے اور اس کے ذہن پر یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ نو افلاطونی فلاسفہ سے لے کر ڈیکارٹ تک کا پورا زمانہ فکر اور فلسفے میں جمود کا زمانہ ہے۔ علم وفن کی تاریخ میں بھی اس زمانہ کو ''تاریک زمانہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ یہ دور صرف غیر مسلم یورپ کے لئے ''تاریک'' تھا، ورنہ یہی وہ دور ہے جس میں مسلمانوں نے آدھی سے زائد دنیا میں علم وفن کے چراغ روشن کئے ہوئے تھے اور خود یورپ کا خطہ اندلس ان کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اس دور کے مسلمان فلاسفہ اور متکلمین نے فکر اور فلسفے کے میدان میں جو نئی راہیں کھولی ہیں اور اپنی تحقیقات کا جو بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے موجودہ نظام تعلیم میں سرے سے ان کا کوئی ذکر ہی نہیں ملتا۔

جدید اسلامی نظام تعلیم میں یہ ضروری ہے کہ اس وسیع علمی خلاء کو پُر کیا جائے جو مغرب کی تنگ نظری اور تعصب نے

مصنوعی طور پر پیدا کیا ہے اور فلسفے کی تعلیم میں مسلمان فلاسفہ اور متکلمین کے افکار کو ان کا صحیح مقام عطا کیا جائے۔

(۲)......سائنس کے بارے میں یہ حقیقت آج پوری دنیا میں مان لی گئی ہے کہ سائنس کی موجودہ ترقی اس استقرائی طریقے کی مرہونِ منت ہے جس میں صرف قیاس وتخمین کے بجائے مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ تحقیقات کی جاتی ہیں لیکن ساتھ ہی مغربی نظام تعلیم نے ہر کس وناکس کے ذہن پر تاثر قائم کرادیا ہے کہ استقرائی طریقۂ تحقیق کو فلسفے میں سب سے پہلا اختیار کرنے والا ''بیکن'' اور سائنس میں ''کوپرنیکس اور گلیلیو'' ہے حالانکہ سائنس اور فلسفے میں اس طریقۂ استدلال کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی تھی، انہوں نے ہی سائنس کا رخ موڑ کر اسے اس راستہ پر ڈالا تھا جس پر آج وہ برق رفتاری سے دوڑ رہی ہے۔ اس کے باوجود ہمارا سائنس کا طالب علم خالد بن یزید، زکریا رازی، ابن سینا، خوارزمی، ابوریحان، بیرونی، فارابی، ابن مسکویہ، ابن رشد، کندی، ابومحمد خوجندی، جابر بن حیان اور موسیٰ بن شاکر جیسے عظیم سائنس دانوں سے یکسر ناواقف رہتا ہے۔

(۳)......معاشیات کی تعلیم میں طالب علم آج صرف یہی جانتا ہے کہ بنیادی طور پر معاشیات کے دو مکتب فکر ہیں: سرمایہ داری اور اشتراکیت، اسلام کے معاشی اصول اور قوانین اس کی نگاہوں سے بالکل اوجھل رہتے ہیں اور اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام نے بھی معیشت کے بارے میں ایسا نظام بنایا ہے جو مذکورہ دونوں مکاتب فکر سے الگ ہے۔ اسی طرح اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ علم معاشیات کی بنیاد ''آدم اسمتھ'' نے رکھی تھی اور اس سے بہت پہلے کے تمام فقہا سے لے کر ابن خلدونؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے مفکرین نے علم معاش کی جو خدمات انجام دی ہیں ان کو فہرست سے یکسر خارج کر دیا گیا ہے۔

(۴)......علم سیاست میں بھی نوافلاطونی فلاسفہ اور جدید مغربی فلاسفہ کے درمیان ایک وسیع خلا ہے جو صرف مغرب کے تعصب اور تنگ نظری کی پیداوار ہے۔ سیاست کے بارے میں اسلام کے اصول وتعلیمات اور مسلمان مفکرین کی کاوشوں کا کوئی ادنیٰ سا عکس بھی موجودہ نصاب میں نہیں ملتا۔

(۵)......یہی حال عمرانیات کا بھی ہے شاید ہی کوئی منصف مزاج اس بات سے انکار کر سکے کہ اس علم کے مدون اول ابن خلدونؒ ہیں، لیکن عمرانیات کے موجودہ نصاب سے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسلام یا مسلمان نے بھی اس علم پر کوئی کام کیا ہے۔

(۶)......نفسیات کی تعلیم اب بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے لیکن اس سلسلہ میں مسلمانوں کے علمائے تصوف نے جو نئی نئی راہیں نکالی ہیں اور نفس انسانی کے عوارض پر جو مفید ترین بحثیں کی ہیں موجودہ نظام تعلیم میں اس کی کوئی پرچھائیں بھی موجود نہیں ہے۔

(۷)......قانون اور اصول قانون کے بارے میں بھی ہمارا نصاب تعلیم سراسر مغربی افکار ونظریات ہی سے بھرا ہوا

ہے۔اصول قانون کی دقیق بحثوں کو جس بے نظیر انداز میں فقہائے اسلام نے اصول فقہ میں مدون کیا ہے اس سے استفادہ کا کوئی موقع طالب علم کو نہیں ملتا۔

(۸)......اسی طرح بعض علوم میں خالص اسلامی احکام کے اجراء کی ضرورت ہے، مثلاً حساب میں سود اور سود در سود کے مسائل تو با قاعدہ پڑھائے جاتے ہیں لیکن میراث اور زکوٰۃ نکالنے کے طریقوں سے طالب علم ناواقف رہتا ہے۔ اسی طرح جغرافیہ کی تعلیم میں سمت قبلہ، اوقات نماز اور مواقیت احرام معلوم کرنے کے طریقے اس کی نظر سے نہیں گزرتے۔نصاب کی نئی تدوین میں اس قسم کی چیزیں شامل ہونی چاہئیں۔غرض وہ علوم جنہیں آج جدید علوم یا مغربی علوم کا نام دے دیا گیا ہے، ہمارے نظام تعلیم میں ٹھیک اسی ترتیب اور اسی ڈھانچے کے ساتھ لئے گئے ہیں جو مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تعصب برتتے ہوئے اسلام کا نام لئے بغیر بنایا تھا۔اب اگر اپنے نظام تعلیم کو اسلامی بنانا اور اس کے ذریعہ صحیح اسلامی قومی شعور پیدا کرنا مقصود ہے تو یہ بات خواہ کتنی محنت طلب کیوں نہ ہو لیکن ناگزیر اہمیت رکھتی ہے کہ ان علوم کے سلیبس کو اپنے قومی تقاضوں کے تحت اس طرح مرتب و مدون کیا جائے کہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کے افکار اور کارنامے پوری طرح رچے بسے ہوں۔(نمونہ کے طور پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب ''قانون بین الممالک'' ملاحظہ ہو جس میں بین الاقوامی قانون کو اس طرح مدون کیا گیا ہے۔)

زیر تبصرہ تعلیمی پالیسی کے حصہ اول باب اول کے پیراگراف نمبر۵ پر غالباً اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن اس بات کو مزید وضاحت اور وسعت کے ساتھ تعلیمی پالیسی کا جز ہونا چاہئے۔

(۲)......**اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر:** نظام تعلیم کو اسلامی بنانے کے سلسلے میں دوسرا اہم کام یہ ہے کہ تعلیم کی نصابی کتابوں کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ ان کو پڑھ کر طالب علم میں بحیثیت مجموعی ایک مسلمان ذہنیت اور اسلامی طرز فکر تیار ہو۔اس کی تشریح و تفصیل یہ ہے کہ کائنات کے تمام چھوٹے بڑے حقائق خواہ وہ اپنی ذات میں کتنے ہی غیر مختلف فیہ کیوں نہ ہوں، اپنے ادراک کرنے والے ذہن کے اعتبار سے مختلف نتائج و ثمرات پیدا کرتے ہیں۔ایک ذہن کا آدمی کسی حقیقت کا ادراک کرکے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے، اور دوسرے ذہن کا انسان اسی حقیقت کو سمجھ کر کوئی دوسرا نتیجہ نکال لیتا ہے مثلاً سورج کا وجود اور انسانیت کے لئے اس کا نفع بخش ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن ایک ستارہ پرست شخص نے اس حقیقت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اتنی فائدہ مند چیز جس پر زندگی کا دارومدار ہے یقیناً عبادت کے لائق ہے لہٰذا اس کی پرستش شروع کردی، دوسرا شخص جو مادہ پرست تھا اسی حقیقت سے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ درحقیقت یہ ارتقائے کائنات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جو خود بخود وجود میں آ گئی ہے۔تیسرے شخص نے جو توحید کا قائل تھا یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ اتنا عظیم الشان جسم جو پوری دنیا کو اپنی روشنی اور حرارت سے ایک لگے بندھے نظام کے ساتھ فائدہ پہنچاتا ہے، یقیناً خود بخود وجود میں نہیں آ گیا بلکہ کسی نے اس کو پیدا کیا ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔

یہی حال تمام علوم وفنون کا ہے کہ ان میں جو حقائق بیان ہوتے ہیں؟ وہ اپنے تدوین کرنے والوں کی ذہنیت کے مطابق انسان کو مختلف نتائج تک پہنچاتے ہیں اور ان علوم کو پڑھنے والے کا ذہن لازماً ان تدوین کرنے والوں کی ذہنیت اور طرزِ فکر کو بحیثیت مجموعی اخذ کرتا ہے۔ مغرب کے مادہ پرست نظام فکر نے انہیں خالص مادی فکر کے ساتھ مرتب کیا ہے جو ان علوم میں سرایت کئے ہوئے ہے اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان سے مادہ پرستانہ نتائج ہی نکال کر سامنے لاتی ہے۔ ہماری زبردست غلطی یہ رہی ہے کہ ہم نے ان علوم کے صرف متن کو نہیں اپنایا بلکہ ان حواشی اور تشریحات کو بھی جوں کا توں اپنے نظام تعلیم میں رکھ لیا جو مادہ پرست ذہنیت نے ان علوم میں گھلا ملا دیئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان طالب علم درسگاہ میں پہنچ کر جس فکر سے آشنا ہوتا ہے اور اپنے گردوپیش کی دنیا میں جس کا چلن دیکھتا ہے وہ اس کے عقائد کے نظام سے بالکل متضاد ہوتی ہے اور اس کے علم اور عقیدے کے درمیان ایک سخت کشمکش برپا کر دیتی ہے۔

علم اور عقیدے کی اس کشمکش کا نتیجہ یا تو یہ نکلتا ہے کہ وہ زندگی کے سنجیدہ مسائل پر سوچنا ہی چھوڑ دیتا ہے اور اپنی ساری توجہات کا مرکز روٹی اور پیٹ کو بنا کر علم اور عقیدہ دونوں سے عملاً کنارہ کش ہو جاتا ہے (اور موجودہ دور میں اکثریت ایسے ہی طلباء کی ہے) یا پھر وہ اپنے علم کو عقیدے پر فوقیت دے کر عقائد کو محض ایک ڈھکوسلا سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور دین و مذہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو جاتا ہے یا وہ یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ دین کے عقائد واحکام خواہ کتنے ہی برحق ہوں، مگر موجودہ دور میں قابل عمل نہیں۔

اس ساری خرابی کی جڑ یہی ہے کہ ہم اب تک ان علوم کو اسی ذہنیت کے ساتھ پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں جس ذہنیت کے ساتھ وہ مغرب میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں۔ ہمارا نظام تعلیم اس وقت تک ''اسلامی'' نہیں کہلا سکتا جب تک کہ ان علوم کو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر کے ساتھ از سر نو مرتب نہ کیا جائے، مزید وضاحت کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں:

سائنس اللہ تک پہنچنے، اس کی قدرت کاملہ پر غور وفکر کرنے اور انسان میں اللہ کے آگے عجز کا احساس پیدا کر کے اس کے حضور سجدہ ریز ہونے کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں سائنس کا طالب علم سائنس اور دینی عقائد کو متضاد سمجھتا ہے اور بسا اوقات سائنس پڑھ لینے کے بعد وہ خدا، رسول، وحی اور آخرت کا یا تو منکر ہو بیٹھتا ہے یا کم از کم سائنس کی گفتگو کے دوران ان عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے شرماتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ سائنس میں بذات خود کوئی چیز ایسی ہے جو دین سے بیزاری کا احساس پیدا کرتی ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب نے کائنات کے عجیب و غریب حقائق کو جس ذہنیت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ مادے کے پار کچھ دیکھنے یا سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، لہٰذا سائنسی حقائق کے بین السطور وہ یہ بات طالب علم کے ذہن نشین کراتی چلتی ہے کہ یہ سب کچھ کائنات کے میکانیکی ارتقاء کا ایک جزء ہے ورنہ جو چیز اس کائنات میں آنکھوں سے نظر نہ آسکے اس کے بارے میں کچھ سوچنا بھی پرلے درجے کی

دقیانوسیت ہے۔

دوسری طرف قرآن کریم بھی اس کائنات پر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے لیکن جو شخص قرآن کریم میں کائنات کے حقائق کو پڑھتا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچ کر رہتا ہے کہ کائنات کا یہ مربوط و مستحکم نظام از خود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے جو اس سارے نظام کی عِلّتِ اولیٰ ہے۔ وہی اس نظام کو درہم برہم بھی کر سکتا ہے اور پھر اسے کوئی دوسری شکل بھی دے سکتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں سائنس کی تعلیم اس ذہنیت کے ساتھ دی جائے، مثال کے طور پر بات کہنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ "آگ میں جلانے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔" اور "انسان کا دماغ سوچنے کی صلاحیت رکھتا ہے" لیکن اسی بات کو اگر اس طرح کہا جائے کہ "اللہ نے آگ میں جلانے کی خاصیت رکھ دی ہے" اور "اللہ نے انسان کو سوچنے کے لئے دماغ دیا ہے" تو یہی جملے بار بار سامنے آ کر خالص اسلامی ذہنیت کی تعمیر کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے پورے نصاب تعلیم میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر اس طرح رچ جانا چاہئے کہ ہماری درس گاہوں سے جو تعلیم یافتہ افراد پیدا ہوں وہ تمام مغربی تعلیم یافتہ افراد کی طرح نہ ہوں بلکہ وہ مسلمان ڈاکٹر، مسلمان سائنس داں، مسلمان انجینئر، مسلمان فلسفی اور مسلمان فنکار ہوں۔ یہ ذہنیت نصاب تعلیم میں کس طرح سموئی جائے؟ اس کا صحیح جواب تو قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی لکھی ہوئی سائنس، فلسفہ، طب، صنعت وحرفت، معاشیات اور سیاست کی کتابیں دیکھ کر بھی ہوسکتا ہے اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ نصاب تعلیم کی تدوین وترتیب ایسے افراد کے سپرد کی جائے جو ان علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے قدر دان اور کم از کم ذہنی طور پر سچے اور پکے مسلمان ہوں۔

جب تک نصاب تعلیم میں مذکورہ دو چیزوں کی رعایت نہیں کی جائے گی اس وقت تک ایک گھنٹے میں اسلامیات کی تعلیم پاکستان کے نظریاتی مقاصد کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ اس بات کی نشاندہی قدرے تفصیل کے ساتھ اس لئے کر دی گئی ہے کہ زیر تبصرہ تعلیمی پالیسی میں اسلامیات کو دسویں جماعت تک لازمی قرار دینے کا تو ذکر ہے لیکن نظام تعلیم کو اسلامی بنانے کے ان دو لوازم یعنی نصاب کی تدوین نو اور اسلامی ذہنیت کی تعمیر موجود نہیں ہے۔ امید ہے کہ پالیسی کے مبارک مقاصد حاصل کرنے کے لئے ان دو بنیادی باتوں کو کما حقہ اہمیت دی جائے گی۔

(۳)......اسلامیات کی تعلیم: مذکورہ دو باتیں اسلامیات کے علاوہ دوسرے مضامین سے متعلق تھیں۔ اسلامی نظام تعلیم میں خاص اسلامیات کے مضمون کو جو اہمیت حاصل ہونی چاہئے وہ محتاج بیان نہیں۔ زیر تبصرہ پالیسی کے مرتبین نے اس ضرورت کو محسوس کر کے حصہ اول باب اول کے فقرہ نمبر ۴ میں اسلامیات کو دسویں جماعت تک لازم کرنے کی سفارش کی ہے۔ یہ سفارش ہر لحاظ سے قابل مبارکباد ہے، البتہ اس ضمن میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

(الف)......معیار کی بلندی: خلاصہ کے پیراگراف نمبر ۵ میں فاضل مرتبین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اسلامیات کے

آٹھویں جماعت تک لازمی ہونے کے باوجود جدید نظام تعلیم ہمارے یہاں اب تک لادینی رہا ہے۔اس کی ایک وجہ تو وہی تھی جو ہم نے اوپر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خاص اسلامیات کے گھنٹے میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس کا معیار اتنا پست رہا ہے کہ اس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کا ہزارواں حصہ بھی طالب علم کو معلوم نہیں ہو پاتا۔ اسلامیات کا صحیح مفہوم علم عقائد، علم تفسیر واصول تفسیر، علم حدیث واصول حدیث، علم فقہ واصول فقہ پر مشتمل ہے۔ اسلامیات کے نصاب میں بھی یہی چیزیں تدریجی انداز میں اعلیٰ معیار تک پڑھانے کی ضرورت ہے، ورنہ محض اسلام کی برتری کے چند مجمل اور کھوکھلے الفاظ رٹنے سے اسلامیات کی تعلیم کا مقصد کبھی حاصل نہیں ہوگا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے طالب علم کم از کم اسلامی تعلیمات سے اتنا واقف ہو جائے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی سے متعلق اسلام کی ہدایات ذہن نشین کرلے اور اسلام نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق جو ہدایات دی ہیں ان کے مبادی سے واقف ہو جائے۔اس سلسلہ میں سلیبس کا ایک معیار تجویز کر کے اس یادداشت کے ساتھ منسلک کیا جارہا ہے۔

(ب)...... **ناظرہ قرآن کریم:** سابقہ حکومت مغربی پاکستان نے تمام اسکولوں میں ناظرہ قرآن کریم کو آٹھویں جماعت تک لازمی کردیا تھا اور اس کا گھنٹہ اسلامیات کے ساتھ ضم کردیا گیا ہے۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ پانچویں جماعت تک اسلامیات کے گھنٹے کے علاوہ حسب سابق ناظرہ قرآن کریم کا بقدر ضرورت مستقل وقت ہونا چاہئے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ اگر پڑھانے والے اساتذہ کماحقہ، توجہ کے ساتھ پڑھائیں تو ناظرہ قرآن دوسرے مضامین کے ساتھ پانچویں جماعت تک اطمینان سے ختم ہوسکتا ہے۔اس کی عملی صورت بھی ان تجاویز کے ساتھ پانچویں جماعت تک کے نصاب تعلیم کے نقشے میں منسلک ہے۔ اسلامیات اور قرآن مجید کی تعلیم میں یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ امتحانات میں ان کو وہ حیثیت دی جائے جو اردو اور حساب کو حاصل ہے۔ یعنی اگر ان میں سے کسی مضمون میں طالب علم فیل ہو جائے تو اسے آگے ترقی نہ دی جائے۔ موجودہ نظام تعلیم میں چونکہ اسلامیات کے امتحان کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے اس لئے اس کی خاطر خواہ اہمیت طالب علم کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتی۔

(ج)...... **کالج کی سطح پر اسلامیات کی فیکلٹی:** پالیسی کے حصہ اول باب نمبر ا پیراگراف نمبر ۴ میں کہا گیا ہے کہ دسویں جماعت کے بعد اسلامیات کی تعلیم اختیاری ہونی چاہئے۔

یہ سفارش ہماری نظر میں بالکل درست ہے لیکن اس کی صحیح عملی شکل یہ ہے کہ اسلامیات کے لئے آرٹس، سائنس اور کامرس کی طرح ایک مستقل کلیہ (FACULTY) قائم کی جائے پالیسی کے مذکورہ فقرہ میں کالج کی سطح پر اسلامیات کی تعلیم کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ

''تا کہ جو طلباء اسلامیات کو اختیار کریں انہیں پوسٹ گریجویٹ کی سطح تک اسلامی تحقیق کا کام کرنے کا موقع ملے۔''

یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ اسلامیات کا ایک مستقل کلیہ قائم کیا جائے اور اس میں اسلامی علوم کی

وسیع وعمیق تعلیم کے ذریعہ طلباء کو اسلامی تحقیق کا اہل بنایا جائے، اس کے بغیر وہ اس مقصد کی کوئی خدمت نہیں کرسکیں گے۔

(د)......**عربی تعلیم**: اب تک ہمارے یہاں اول سے آخر تک اسلامیات کو عربی سے الگ کر کے پڑھایا گیا ہے، حالانکہ اسلامیات کی صحیح تعلیم عربی کے بغیر بالکل بے معنی ہے، نئی تعلیمی پالیسی میں تصریح کی گئی ہے کہ اسلامیات کی تعلیم کا مقصد اسلامی علوم کے محقق اور صاحبِ نظر عالم پیدا کرنا ہے۔ لیکن ہر شخص جسے اسلامی علوم سے ادنیٰ واقفیت ہے۔ وہ یہ بات تسلیم کرے گا کہ یہ مقصد عربی زبان وادب اور گرامر کی ٹھوس اور معیاری تعلیم کے بغیر بالکل ناممکن ہے۔ لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ عربی زبان کو اسلامیات کا لازمی جز ہونا چاہئے جس کی عملی شکل ثانوی مدارس کے مجوزہ سلیبس میں لکھ دی گئی ہے۔ عربی زبان کو نصاب میں اہمیت دینے سے اسلامیات کے علاوہ اردو زبان وادب کی تعلیم میں بھی بڑی مدد ملے گی اور عالم اسلام کے ساتھ ہمارا رابطہ مستحکم ہوگا۔

(ہ)......**اساتذہ کا معیار**: اب تک اسلامیات کی تعلیم میں جو نقائص رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب اساتذہ کی کمی اور ان کی تربیت کا فقدان بھی رہا ہے۔ اسلامیات کا جتنا تھوڑا بہت حصہ نصاب میں رکھا گیا تھا وہ بھی غیر تربیت یافتہ اساتذہ کی وجہ سے پورا نہیں ہوتا تھا، اس کمی کو دور کرنے کے لئے ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں:

(۱)......آئندہ کے لئے اسلامیات کے اساتذہ میں مطلوبہ قابلیت کا یہ معیار مقرر کردیا جائے:

(الف)......ساتویں جماعت تک کے اساتذہ کے لئے دینی مدارس سے ثانوی مرحلے کا سند یافتہ یا اسلامیات کی وزہ فیکلٹی سے انٹر میڈیٹ یا موجودہ نظام تعلیم کا گریجویٹ جس کا اختیاری مضمون اسلامیات رہا ہو اور اس نے اسلامیات کی تدریس کی خصوصی تربیت لی ہو۔

(ب)......آٹھویں سے دسویں تک کی جماعتوں کے لئے دینی مدارس سے ثانوی مرحلے کا سند یافتہ جو "المنثری" کلاسوں کو پڑھانے کا کم از کم تین سالہ تجربہ رکھتا ہو یا اس نے علوم جدیدہ کی خصوصی تربیت حاصل کی ہو۔ اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی سے گریجویٹ یا موجودہ نظام تعلیم کا فاضل عربی، یا موجودہ نظام تعلیم کا ایم اے اسلامیات جس نے اسلامیات کی تعلیم کی خصوصی تربیت لی ہو۔

(ج)......گریجویشن تک کی تعلیم کے لئے دینی مدارس کے اعلیٰ مرحلے کا سند یافتہ جس نے جدید علوم کی خصوصی تربیت لی ہو یا اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی سے ایم اے۔

(د)......ایم اے کی تعلیم کے لئے وہ شخص جو دینی مدارس کے ثانوی مرحلے میں تدریس کم از کم سات سالہ یا اعلیٰ مرحلے میں تدریس کا کم از کم دو سالہ تجربہ رکھتا ہو یا دینی مدارس کے درجات تخصص کا فارغ ہو یا اسلامیات کی فیکلٹی سے ایم اے اور گریجویشن تک کی تعلیم کا مناسب تجربہ رکھتا ہو۔

(و)......**اساتذہ کی خصوصی تربیت**: "اساتذہ" کے معیار کے تحت ضمن "الف، ب، د، ج" میں اساتذہ کی خصوصی

تربیت کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کی تشریح درج ذیل ہے:

(۱)...... جب تک مجوزہ پالیسی کے تحت علوم اسلامیہ وعربیہ کے مستند تعلیم پائے ہوئے لوگ اسلامیات کی تدریس کے لئے مہیا نہیں ہوتے اس وقت تک موجودہ نظام تعلیم کے ان افراد سے بھی کام لیا جاسکتا ہے جنہوں نے ماضی میں ابتداء سے گریجویشن تک معارف اسلامیہ (اسلامک اسٹڈیز) کو بطور اختیاری مضمون لیا ہو، لیکن ان کے لئے تربیت کا ایک کورس ترتیب دیا جائے جس میں ناظرہ قرآن کریم، ابتدائی عربی زبان وگرامر، ترجمۂ قرآن کریم اور حدیث وفقہ کے مبادی پڑھانے کی تربیت دی جائے، اس تربیت سے کامیاب ہونے کے بعد انہیں تدریس کا اہل قرار دیا جائے۔ اس تربیتی کورس کا انتظام دینی مدارس میں کیا جائے، اس طرح قدیم وجدید طبقوں کے درمیان باہمی ربط اور ہم آہنگی پیدا کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ اس سلسلے میں دینی مدارس ہر قسم کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(۲)...... جب تک مجوزہ پالیسی کے تحت دینی مدارس کے طلباء جدید علوم سے واقف ہو کر فارغ نہیں ہوتے اس وقت تک گریجویشن کی اسلامیات کی تعلیم کے لئے ان افراد سے بھی کام لیا جاسکتا ہے جو ماضی میں کسی معروف دینی درسگاہ سے فارغ ہوئے ہوں، لیکن ان کے لئے تربیت کا ایک کورس ترتیب دیا جائے جس میں انہیں جدید علوم سے روشناس کرایا جائے، اس کے بعد انہیں تدریس کا اہل قرار دیا جائے۔

(۳)...... مجوزہ پالیسی کے تحت دینی مدارس میں ریاضی اور سائنس کے جو مضامین داخل نصاب کئے جائیں گے انکو پڑھانے کے لئے دینی مدارس کے موجودہ اساتذہ ہی کو تربیت دی جائے۔ جیسا کہ زیر تبصرہ پالیسی میں بھی تجویز کیا گیا ہے۔

(۴)...... آئندہ مستقل طور پر تربیت اساتذہ کے تمام مراحل میں بشمول بی ایڈ اور ایم ایڈ اسلامیات کی تربیت کا مستقل اور ٹھوس نظام بنایا جائے۔

(۵)...... جب تک کسی درسگاہ میں اسلامیات اور ناظرہ قرآن کریم کے تربیت یافتہ اساتذہ موجود نہ ہوں اس وقت تک اسے سرکاری طور پر منظور نہ کیا جائے۔

۴...... **درسگاہوں کا ماحول:** اپنے نظام تعلیم کو صحیح معنی میں اسلامی اور قومی انداز میں نافذ کرنے کے لئے جتنی اہمیت نصاب تعلیم کو حاصل ہے، درسگاہوں کے ماحول کا سدھار اس سے کم اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ طلباء کو کسی خاص رنگ میں رنگنے کے لئے اس کا ماحول بڑا مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ مغربی ممالک میں اسلامیات کی تعلیم اچھے خاصے معیار پر ہوتی ہے، لیکن اس کے ذریعہ کوئی مسلمان طالب علم پیدا نہیں ہوا۔ اس کی وجہ اسلامی ماحول کا فقدان ہے۔ لہٰذا نئے نظام تعلیم میں اس امر کو بھی پوری اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

(الف)...... اساتذہ: مسلمان طلباء کو تعلیم دینے کے لئے ایسے اساتذہ کا انتخاب ناگزیر ہے جو ایک طرف اپنے تدریسی مضامین میں ماہر اور اپنے علم وفن کا ذوق رکھنے والے ہوں اور دوسری طرف نظریۂ پاکستان یعنی اسلام سے کماحقہ

عقیدت ومحبت رکھتے ہوں۔ خاص طور سے اسلامیات کی تعلیم کے لئے اساتذہ کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو لازمی شرط قرار دیا جائے کہ وہ اپنی ظاہری عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات کے پابند ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ وہ طلباء کے اندر اسلامی روح پھونکنے میں ناکام رہیں گے۔

(ب)...... **جداگانہ تعلیم:** اب تک ہمارے نظام تعلیم کے غیر اسلامی ہونے کی ایک بڑی وجہ مخلوط تعلیم بھی رہی ہے۔ طلباء اور طالبات کو مشترک طور پر ایک ساتھ تعلیم دینا مندرجہ ذیل وجوہ سے غلط اور خطرناک ہے:

(۱)...... مرد وعورت کا یہ اختلاط ان اسلامی تعلیمات کے یکسر مخالف ہے جن کے سانچے ہم اپنے نظام تعلیم کو ڈھالنا چاہتے ہیں۔ امید ہے کہ زیر تبصرہ پالیسی کے فاضل مرتبین جن کی پر خلوص کوشش یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم اسلامی بنیادوں پر استوار ہو جائے، لادینی نظام تعلیم کی اس خطرناک ترین یادگار کو مٹانے کی طرف خصوصی توجہ دیں گے۔ (۲)...... مخلوط تعلیم کی وجہ سے تعلیم کا معیار بہت پست ہو گیا ہے۔ (۳)...... قدرت نے مرد وعورت کو الگ الگ مقاصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا دونوں کی تعلیم بھی ان کے مقاصد حیات کے لحاظ سے مختلف ہونی چاہئے۔ جو نصاب ونظام مرد کے لئے مفید ہو سکتا ہے ضروری نہیں ہے کہ وہ عورت کے لئے بھی مفید ہو۔ اس وجہ سے عورتوں کا نظام تعلیم مردوں سے بالکل الگ ہونا چاہئے۔ موجودہ نظام تعلیم میں دونوں کو یکساں طرز سے تعلیم دی جاتی ہے جو نتائج کے لحاظ سے مفید نہیں ہو سکتی۔ (۴)...... مخلوط تعلیم کی وجہ سے طلباء میں جو اخلاقی گراوٹ مسلسل پیدا ہو رہی ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں رہی۔ ان حالات میں ہمارا نظام تعلیم اس وقت تک ہمارے قومی تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا جب تک کہ مرد وعورت کے لئے الگ الگ نصاب اور نظام نہ بنایا جائے۔

(ج)...... **غیر نصابی سرگرمیاں:** طلباء کے ماحول کو درست کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کو غیر نصابی سرگرمیوں میں کسی ایسی بات کی اجازت نہ دی جائے جو اسلامی تعلیمات کے منافی ہو۔ سابقہ حکومت مغربی پاکستان نے اپنے تعلیمی اداروں میں رقص وسرور پر پابندی عائد کر دی تھی۔ یہ ایک نہایت مستحسن اقدام تھا جس پر کما حقہ عمل نہ ہو سکا۔ ضرورت ہے کہ نئے نظام تعلیم میں رقص وسرور اور دوسری غیر اسلامی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے۔ اس کے علاوہ ایسی غیر نصابی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے جن میں طلباء کو اسلامی معلومات بڑھانے یا اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں مدد ملے۔

(د)...... **یونیفارم:** پورے پاکستان میں اگر طلباء کا یونیفارم ایک کر دیا جائے تو اس سے بھی قومی شعور پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔ دنیا کی تمام زندہ قومیں اپنی نئی نسلوں میں قومی اور اجتماعی احساس پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنے قومی لباس کا پابند بناتی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ پاکستان کے طلباء اس شعور سے محروم رہیں۔ اس لئے ان کا یونیفارم پاکستان کا قومی لباس یعنی شیروانی، پاجامہ یا شلوار اور ٹوپی...... ہونا چاہئے۔

(ہ)......**شعائرِ اسلام کا احترام:** درس گاہوں کے ماحول میں اسلامی ارکان وشعائر کے کماحقہ، احترام کی مکمل رعایت ہونی چاہئے۔ نمازوں کے اوقات میں نماز کے لئے مناسب وقفے ہونے چاہئیں اور بہتر ہے کہ درسگاہ کی حدود عمارت میں مسجد کے قیام کو لازمی قرار دیا جائے۔ اگر مستقل عمارت نہ ہو تو نماز باجماعت کے لئے الگ جگہ بنائی جائے اور اس بات کی کوشش کی جائے کہ طلباء جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے عادی بنیں۔

(و)......**ہفتہ وار تعطیل:** اس ضمن میں یہ بات بھی نہایت ضروری ہے کہ درس گاہوں کی ہفتہ وار تعطیل کا دن اتوار کے بجائے جمعہ کو مقرر کیا جائے۔

عربی مدارس کا مسئلہ: پالیسی کے خلاصہ کے پہلے اور آخری پیراگرافوں میں قدیم جدید نظام ہائے تعلیم پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ بلاشبہ دونوں نظاموں پر مختصر مگر جامع تبصرہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نظاموں کے درمیان جو وسیع خلیج حائل ہوگئی ہے اسے دور کرنے کی ضرورت عرصۂ دراز سے محسوس کی جارہی ہے لیکن جیسا کہ پالیسی کے خلاصہ پیراگراف نمبر ۵ میں کہا گیا ہے کہ ''پاکستان کا مقصود نظریاتی اتحاد ہونا چاہئے، نظریاتی خلا نہیں۔'' اس لئے اس خلیج کو دور کرنے کے لئے بڑی حکمت کی ضرورت ہے۔ جہاں تک جدید نظام تعلیم میں اسلامی اصلاحات کا تعلق ہے ان کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ دینی مدارس کے نظام تعلیم کو منظم مربوط اور پاکستان کے لئے زیادہ مفید بنانے کے لئے ہماری تجاویز حسب ذیل ہیں:

(ا)......**مدرسہ ایجوکیشن بورڈ:** مدارس کو منظم کرنے کے لئے ایک آزاد خودمختار مدرسہ تعلیمی بورڈ کی تشکیل کی جائے لیکن سابقہ تجربات کے پیش نظر اس بورڈ میں حسب ذیل امور کی رعایت کی جائے۔ ورنہ یہ تنظیم قطعی طور پر ناکام ہوجائے گی:

(الف)......یہ بورڈ تمام تر موجودہ بڑے دینی مدارس کے ایسے ذمہ دار علمائے دین پر مشتمل ہو جن پر خود یہ دینی مدارس اور پوری امت علم وفضل اور دینی بصیرت کے لحاظ سے اعتماد کرتی ہو، البتہ جدید علوم کے معاملے میں مشورہ کے لئے دو ایسے صاحبان بھی اس کے رکن ہوں جو جدید نظام تعلیم کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

(ب)......ہر دینی مدرسہ اپنے یہاں بنیادی (المنٹری) مرحلے تک کا اسکول قائم کرے جس میں وہی نصاب پڑھایا جائے جو عام سرکاری اسکولوں میں پڑھایا جارہا ہو۔ اس مرحلے تک جدید وقدیم نظام تعلیم کا فرق بالکل ختم کردیا جائے۔ البتہ دینی مدارس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی ضرورت کے تحت اس نصاب پر کچھ اضافہ کرنا چاہیں تو کرسکیں اور دینی مدارس کے خاص انتظام تعلیم میں انہی طلباء کو داخلہ دیا جائے جو المنٹری کلاسوں سے فارغ ہوچکے ہوں۔

(ج)......دینی مدارس کے خاص نصاب تعلیم کو چار مراحل پر تقسیم کیا جائے، علوم ابتدائیہ، علوم ثانویہ، علوم عالیہ اور تخصص ان مراحل میں بورڈ اپنی صوابدید پر معاشیات، سیاسیات اور جدید فلسفہ کے مضامین شامل کرے۔

(د)......بورڈ کو نصاب تعلیم کے تقرر، امتحانات کے انعقاد اور جملہ تعلیمی امور میں مکمل آزادی اور خودمختاری حاصل ہو اور اس معاملے میں وہ کسی ہیئت حاکمہ کا پابند نہ ہو، زیر تبصرہ پالیسی میں بعض معیاری کالجوں کو اس قسم کی آزادی دی گئی

ہے کہ وہ خود امتحانات لیں اور ڈگری دیں، لہٰذا مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو خود مختار رہتے ہوئے اسناد عطا کرنے کی اجازت دینا ایک معقول تجویز ہے۔

(ہ)...... موجودہ نظام میں دینی مدارس عوامی تعاون کی بنیاد پر چل رہے ہیں اگر ان مدارس کی موجودہ آزادی میں کوئی فرق آیا یا حکومت نے ان کو مالی امداد دی تو یقین ہے کہ عوامی تعاون کا یہ سلسلہ بالکل بند ہو جائے گا اور ان مدارس کو چلانے کے لئے حکومت کو کروڑوں روپیہ خرچ کرنا پڑے گا جس کے بارے میں یقین ہے کہ میزانیہ میں اس کی گنجائش نہیں ہوگی۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ دینی مدارس ایک طرف اپنے تعلیمی معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہوں اور دوسری طرف ان کا مالی نظام جس طرح آج کل عوامی تعاون کی بنیاد پر چل رہا ہے اسی طرح چلتا رہے۔ مرکزی بورڈ کے جملہ اخراجات دینی مدارس کے چندے سے پورے کئے جائیں۔

(و)...... اس بورڈ کی دی ہوئی اسناد کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے اور ابتدائی مرحلے کو میٹرک کے مساوی، ثانوی مرحلے کو انٹر کے مساوی، اعلیٰ مرحلے کو گریجویٹ کے مساوی اور تخصص کو ایم اے کے مساوی قرار دیا جائے۔

(ز)...... دینی مدارس کے اس بورڈ کو تسلیم کر لینے کے بعد ادیب، عالم اور فاضل کے امتحانات کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہٰذا ان امتحانات اور اسناد کو ختم کر دیا جائے۔

(ح)...... ملک کے بہت سے دینی مدارس و مکاتب ایسے ہیں کہ جو نہایت محدود پیمانے پر اپنا کام کر رہے ہیں، اپنے محدود مالی وسائل کی وجہ سے ان کا بورڈ کے پورے نظام میں منسلک ہونا ممکن نہیں ہوگا لہٰذا جو مدارس اس بورڈ کے ساتھ منسلک نہ ہو سکیں ان کو رجسٹر کر لیا جائے لیکن سند کی منظوری کے لئے بورڈ سے ملحق ہونا لازمی ہو۔

یہ نکات اس قدر ناگزیر ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی فراموش کر دیا گیا تو تنظیم مدارس کے مقصد پر بالکل پانی پھر جائے گا اور یا تو موجودہ خلیج جوں کی توں برقرار رہے گی یا ملک میں ایک خوفناک نظریاتی خلا پیدا ہو جائے گا۔

مشنری تعلیمی ادارے: اس میں ذرا برابر تک وشبہ اور تردد کی گنجائش نہیں کہ پاکستان میں مشنری تعلیمی ادارے اور رفاہی ادارے درحقیقت مسیحی تبلیغی ادارے ہیں یا زیادہ بہتر الفاظ میں مسیحیت کی تبلیغ کے چور دروازے ہیں۔ جن کے ذریعہ عیسائی مبلغ نہایت خاموش طریقہ پر انتہائی سرگرمی کے ساتھ پاکستان میں عیسائیت کے بیج بو رہے ہیں۔ ان مشنریوں کی کارکردگی کی سالانہ رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ پاکستان بننے کے بعد اس بائیس سال کی مدت میں پاکستانی باشندوں کو عیسائی بنانے میں اتنی زبردست کامیابی ان مشنریوں کو حاصل ہوئی ہے کہ پورے صد سالہ برطانوی دور استعمار میں پورے برصغیر ہندوستان میں اتنی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ مسیحی اقلیت کی جو تعداد پاکستان بننے کے وقت صرف پاکستان کے خطہ میں تھی اس بائیس سال میں وہ تعداد کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، اگر ان ملکی اور غیر ملکی مشنریوں کو اسی طرح خاموشی کے ساتھ کام کرنے دیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں مسیحی اقلیت ایسی موثر اقلیت بن جائے

کہ اس نوزائیدہ خالص اسلامی مملکت کے لئے مستقل خطرہ اور دردسر بن جائے اور پاکستان کا وہی حشر ہو جو لبنان کا ہو چکا ہے یا انڈونیشیا میں ہو رہا ہے۔

۳۔ لئے نئی تعلیمی پالیسی کا مشنری تعلیمی اداروں کے خلاف صرف اتنا اقدام ہرگز کافی نہیں کہ تمام غیر ملکی مشنری تعلیمی ۔۔۔ و قومی ملکیت میں لے لیا جائے، بلکہ ملکی مشنری تعلیمی اداروں پر بھی کڑی نگرانی رکھنے کی سفارش کرنی چاہئے، اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے تحت پاکستانی مشنریوں کو صرف اتنی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ محض عیسائیوں کی تعلیم کے لئے اسکول و کالج اس شرط کے ساتھ قائم رکھ سکتے ہیں کہ

(الف)......ان کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم بالکل وہی ہو جو پاکستانی سرکاری اسکولوں میں رائج ہے اور ان کی تعلیمی سرگرمیوں میں اسلام، پیغمبر اسلام اور تعلیمات اسلام کے خلاف ایک لفظ نہ کہا جائے۔ وہ مسیحی معتقدات عیسائی بچوں کو سکھا سکتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ اسلامی معتقدات کی تنقیص یا ان پر تنقید بالکل نہ کی جائے۔

(ب)......ان مشنری اسکولوں میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو ہرگز داخل نہ کیا جائے۔

ورنہ موجودہ تعلیمی پالیسی کے تحت ملکی مشنریوں کو مستثنیٰ کر دینے کی صورت میں غیر ملکی مشنریاں اپنے تمام تعلیمی اداروں اور اثاثوں کا مالک ان مشنریوں کو بنا کر ان کے واسطہ سے اپنے موجودہ تبلیغی مشن کو جاری رکھ سکیں گی اور اسلامی حکومت اس استثنا کی وجہ سے ان کے خلاف کچھ نہ کر سکے گی۔

تعلیم بالغاں: زیر تبصرہ تعلیمی پالیسی کے حصہ اول باب دوم میں تعلیم بالغاں کی اہمیت پر جو زور دیا گیا ہے وہ قابل مبارک باد ہے اور اس سلسلے میں نوجوانوں سے جو رضا کارانہ خدمات لینے کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے اگر اس پر عمل ہو سکا تو اس سے ایک عام قومی بیداری اور اجتماعی شعور کو ترقی دینے میں بھی مدد ملے گی، اس سلسلے میں ہماری دو تجاویز ہیں:

(۱)......تعلیم بالغاں کے نصاب میں ناظرہ قرآن کریم اور ضروری اسلامی معلومات (جس کے ذریعہ وہ اسلام کے بنیادی عقائد اور ارکان سے واقف ہو جائیں) ضرور داخل کئے جائیں۔

(۲)......جس حد تک ممکن ہو تعلیم بالغاں کا مرکز مساجد کو قرار دیا جائے۔

(۳)......تعلیم بالغاں کے لئے نوجوانوں کی رضا کارانہ خدمات کا جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے وہ صرف (مرد) طلباء کے لئے رکھا جائے، طالبات کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

مخلوط تعلیم: تعلیم نسواں ایک مستقل چیز ہے اور مخلوط تعلیم ایک جداگانہ چیز ہے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط وہی بے دین اور بے حمیت یورپ زدہ لوگ کرتے ہیں جو فروغ تعلیم نسواں کی آڑ میں مخلوط تعلیم کو فروغ دینا اور عام کرنا چاہتے ہیں۔

اسلامی تعلیمات کی حدود میں رہ کر تعلیم نسواں کو زیادہ سے زیادہ عام کرنا چاہئے تاکہ نئی نسل اعلیٰ اخلاق و کردار کی مالک

بن سکے۔مگر معاشی اعانت کے لئے عورتوں کی تعلیم کو ذریعہ بنانا غیر فطری بھی ہے اور غیر اسلامی بھی، اس لئے کہ قرآن حکیم بیوی بچوں کی معاشی کفالت کا ذمہ دار مرد کو قرار دیتا ہے اور اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت کی ذمہ داری شرعی فرائض ادا کرنے کے بعد تمام جائز اور مباح امور میں شوہر کی اطاعت کرنا اس کی حوائج اور سامان راحت و آسائش کو مہیا کرنا ہے تاکہ بچے اور شوہر تفریح کے لئے گھر سے باہر جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں۔

ایک ایسی تعلیم یافتہ عورت جس کا دن کسب معاش میں گھر سے باہر گزرے شام کو تھکی ہاری گھر میں آئے ہرگز ان فطری اور شرعی ذمہ داریوں کو نہیں اٹھا سکتی۔اس لئے عورتوں کو معاشی نقطۂ نظر سے تعلیم دینے کا تصور ایک قطعی غلط تصور ہے۔لڑکیوں کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور معیار تعلیم مذکورہ بالا مقاصد کے تحت مرتب و مدون اور مردوں سے بالکل الگ اور جداگانہ ہونا چاہئے، ایسی صورت میں درس گاہوں کا الگ ہونا ناگزیر ہے۔اگر تعلیم نسواں سے اس کے صحیح فوائد حاصل کرنے ہیں تو مخلوط تعلیم کو ختم کرنا قطعی لازم ہے، اس لئے کہ مخلوط تعلیم تو اسلامی روح کے بھی قطعی منافی ہے اور ذہنی وفکری آسودگی اور اخلاق و پاکیزگی کے لئے بھی سم قاتل ہے، اس کی اجازت کسی صورت میں بھی نہیں دی جا سکتی۔

عام طور پر تعلیم نسواں کے فروغ کے حامی وہ یورپ زدہ لوگ ہیں جو پاکستان کو بھی مخلوط تعلیم کے ذریعہ فحاشی وعریانی کے لحاظ سے پیرس اور بیروت کا نمونہ بنانا چاہتے ہیں یہ لوگ درحقیقت تعلیم نسواں کے بھی دشمن ہیں اور دین وایمان کے بھی دشمن۔

رجال کار: یہ ایک سے طے شدہ حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی نظام خواہ کتنا ہی بہتر سے بہتر کیوں نہ ہو اس وقت تک نتیجہ خیز اور بار آور ثابت نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو چلانے والے رجال کار موزوں اور صحیح نہ ہوں اگر ایک ایسا نظام تعلیم جو نظریاتی اعتبار سے سرتاپا مفید ہو، غلط ہاتھوں کو سونپ دیا جائے تو وہی ہلاکت خیز بھی ثابت ہوسکتا ہے۔لہٰذا اگر ملک کا نظام تعلیم اسلامی خطوط پر استوار کرنا ہے تو یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ اس نظام کو چلانے والے افراد اسلام کا صحیح جذبہ رکھنے والے ہوں، نیز اسلامیات کے نصاب کی تدوین صرف ان علماء کو تفویض کی جائے جو اسلامی علوم کا وسیع اور عمیق علم اور تجربہ رکھتے ہوں۔اس سلسلے میں ہماری تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱)......یونیورسٹی اور ثانوی تعلیمی بورڈ کے تمام انتظامی شعبوں کے عہدے صرف ان لوگوں کے سپرد کئے جائیں جو نظریۂ پاکستان یعنی اسلام سے عقیدت ومحبت رکھتے ہوں اور تعلیم کے مسائل کو سمجھنے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

(۲)......مندرجہ ذیل امور کے لئے صرف ان مستند علمائے دین کا انتخاب کیا جائے جن کے علم وفضل اور فہم وبصیرت پر قوم اعتماد کرتی ہے۔

(الف)......تمام مراحل تعلیم کے لئے اسلامیات کی نصاب کمیٹی۔

(ب)......اسلامیات کی نصابی کتب کی تصنیف اور تدوین۔

(ج)......معارف اسلامیہ کی فیکلٹی کے تمام شعبے۔

(د) سنڈیکیٹ میں اسلامیات کی فیکلٹی کے ڈین کو بھی شامل کیا جائے۔

خلاصہ تجاویز: اب ہم ذیل میں ان تجاویز کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو اس یادداشت میں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱)......تعلیم کا نظام اور نصاب اس طرز پر بنایا جائے کہ طلباء کے سامنے جو تعلیم کا مقصد آئے وہ محض حصول معاش نہ ہو بلکہ ذات کی تکمیل، اعلیٰ انسانی اوصاف کا حصول اور ملک وملت کی خدمت ہو۔

(۲)......نظام تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ صرف ایک گھنٹے میں اسلامیات کو لازمی قرار دیا جائے بلکہ اس کے لئے ہر علم وفن کے نصاب کو اس طرز پر مدون کرنے کی ضرورت ہے کہ:

(الف)......اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے افکار ہر علم وفن میں رچے بسے ہوئے ہوں۔

(ب)......ہر علم وفن کی تعلیم اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر کے ساتھ دی جائے ان دونوں باتوں کی پوری تفصیل و تشریح ابتدائی صفحات میں بیان کی گئی ہے۔

(۳)......اسلامیات کی تعلیم کا معیار بلند کیا جائے اور اس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد کی ٹھوس تعلیمات اتنی مقدار میں دے دی جائیں کہ دسویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے ہر طالب علم کے سامنے اسلام کی ایک صحیح اجمالی تصویر آجائے۔اس کا مجوزہ سلیبس منسلک ہے۔

(۴)......پانچویں جماعت تک ناظرہ قرآن کریم کے لئے اسلامیات سے الگ مستقل وقت رکھا جائے اور اس مرحلے تک قرآن کریم ختم کرادیا جائے، اس کی عملی صورت پانچویں جماعت کے سلیبس میں منسلک ہیں۔

(۵)......کالج کی سطح پر اسلامیات کی مستقل فیکلٹی قائم کی جائے جس میں تمام اسلامی علوم کی وسیع وعمیق تدریس کا انتظام ہو۔

(۶)......عربی زبان کو اسلامیات کی تعلیم کا مستقل جز بنایا جائے جس کی عملی صورت ثانوی مدارس کے سلیبس میں منسلک ہے۔

(۷)......اسلامیات کے اساتذہ میں مطلوبہ قابلیت کا یہ معیار مقرر کیا جائے کہ:

(الف)......ساتویں جماعت تک کے اساتذہ کے لئے دینی مدارس سے ثانوی مرحلے کا سند یافتہ یا اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی سے انٹر میڈیٹ یا موجودہ نظام تعلیم کا گریجویٹ جس کا اختیاری مضمون معارف اسلامی رہا ہو اور اس نے اسلامیات کی تدریس کی خصوصی تربیت لی ہو۔

(ب)......آٹھویں سے دسویں جماعت تک کے لئے دینی مدارس سے ثانوی مرحلے کا سند یافتہ جو المنٹر ی کلاسوں کو پڑھانے کا کم از کم تین سالہ تجربہ رکھتا ہو یا علوم جدیدہ کی خصوصی تربیت لی ہو یا اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی سے گریجویٹ

یا موجودہ نظام تعلیم کا فاضل عربی، یا موجودہ نظام تعلیم کا ایم اے اسلامیات جس نے اسلامیات کی تعلیم کی خصوصی تربیت لی ہو۔

(ج)......گریجویشن تک کتابوں کے لئے دینی مدارس کے اعلیٰ مرحلہ کا سند یافتہ جس نے جدید علوم کی خصوصیتر بیت لی ہو یا اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی سے ایم اے ہو۔

(د)......ایم اے کی تدریس کے لئے وہ شخص جو دینی مدارس کے ثانوی مرحلہ میں تدریس کا کم از کم سات سالہ یا اعلیٰ مرحلہ میں تدریس کا کم از کم دوسالہ تجربہ رکھتا ہو یا اسلامیات کی مجوزہ فیکلٹی میں گریجویشن کی تعلیم کا کم از کم پانچ سالہ تجربہ رکھتا ہو یا دینی مدارس کے درجات تخصص کا فارغ ہو۔

(۸)......تجویز سات ضمن الف اور ب میں جس خصوصی تربیت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نظام تعلیم سے معارف اسلامیہ کی تعلیم پائے ہوئے لوگوں کے لئے تربیت کا ایک خصوصی کورس شروع کیا جائے جس کا انتظام بہتر ہے کہ دینی مدارس میں ہو۔

(۹)......تجویز ے ضمن ج اور د، جس خصوصی تربیت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی مدارس کے ان طلباء کو جو ماضی میں فارغ التحصیل ہوئے ہوں بعض ضروری دنیوی علوم کی تربیت دی جائے۔

(۱۰)......آئندہ اساتذہ کی تربیت کے تمام مراحل میں بشمول بی ایڈ و ایم ایڈ اسلامیات کی معیاری اور ٹھوس تعلیم و تربیت کو لازمی کیا جائے۔

(۱۱)......جب تک کسی درسگاہ میں اسلامیات کے تربیت یافتہ اساتذہ موجود نہ ہوں اس وقت تک اسے منظور نہ کیا جائے۔

(۱۲)......درس گاہوں کے ماحول کو اسلامی بنانے کے لئے ہر مضمون میں ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو نظریہ پاکستان یعنی اسلام سے محبت و عقیدت رکھتے ہوں۔ نیز اسلامیات کی تعلیم کے لئے صرف وہ اساتذہ منتخب کئے جائیں جو اپنی ظاہری عملی زندگی کے پابند ہوں۔

(۱۳)......مخلوط تعلیم کو بلا تاخیر فوراً ختم کیا جائے۔

(۱۴)......طلباء کو غیر نصابی سرگرمیوں میں ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دی جائے جو اسلام کے خلاف ہو۔ ننگا رقص و سرود اور ڈرامے وغیرہ۔

(۱۵)......پورے پاکستان کے طلباء کے لئے پاکستان کے قومی لباس کا یونیفارم مقرر کیا جائے۔

(۱۶)......درسگاہوں میں اسلامی شعائر کا پورا احترام کیا جائے۔ نمازوں کے اوقات میں نماز کے وقفے دیئے جائیں اور ہر درسگاہ میں نماز کے لئے جگہ مخصوص کرنا لازمی قرار دیا جائے۔

(۱۷)......ہفتہ وار تعطیل اتوار کے بجائے جمعہ کو کی جائے۔

(۱۸)......دینی مدارس کو منظم کرنے کے لئے ایک آزاد اور خود مختار بورڈ بنایا جائے جو دینی مدارس کے ذمہ دار علمائے دین پر مشتمل ہو، اس میں دو جدید تعلیم کے ماہرین کو بھی شریک کیا جائے۔

(۱۹)...... ہر وہ دینی مدرسہ جو اس بورڈ سے ملحق ہونا پسند کرے اس کی اسناد کو منظور کیا جائے اور جو دینی مدارس اس کے ساتھ ملحق نہ ہوں ان کی اسناد حسب سابق غیر منظور شدہ رکھی جائیں۔

(۲۰)......جو مدارس بورڈ کے ساتھ الحاق کریں وہ اپنے یہاں ایلمنٹری کلاس تک کا ایک اسکول قائم کریں، اس مرحلہ تک جدید وقدیم تعلیم کا فرق ختم ہو جائے اور دینی مدارس کے مخصوص نصاب میں وہی طلباء داخل ہوں جو ایلمنٹری کلاس سے فارغ ہو چکے ہوں۔

(۲۱)......آگے دینی مدارس کے مخصوص نصاب کو چار مراحل پر تقسیم کیا جائے۔علوم ابتدائیہ،علوم ثانویہ،علوم عالیہ اور تخصص، بورڈ اپنی صوابدید پر اس میں معاشیات، سیاسیات جدید فلسفہ کا اضافہ کر سکتا ہے۔

(۲۲)...... یہ بورڈ کسی ہیئت حاکمہ کا پابند نہ ہو بلکہ جملہ تعلیمی امور میں خود مختار ہو، وہی نصاب وضع کرے اور وہی امتحانات لے کر اسناد دے۔

(۲۳)......دینی مدارس یا بورڈ کو حکومت کی طرف سے کوئی مالی امداد نہ دی جائے بلکہ وہ حسب سابق عوامی تعاون کی بنیاد پر چلتے رہیں۔

(۲۴)......اس بورڈ کی دی ہوئی اسناد کو تسلیم کیا جائے اور علوم ابتدائیہ کو میٹرک،علوم ثانویہ کو انٹر،علوم عالیہ کو گریجویشن ،تخصص کو ایم اے کے مساوی قرار دیا جائے۔

(۲۵)......ادیب عالم اور فاضل کے امتحانات کا نظم ختم کر دیا جائے۔

(۲۶) پاکستانی باشندوں کے قائم کئے ہوئے مشنری اسکولوں کو صرف غیر مسلموں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ مسلمان طلباء کو اس میں داخلہ کی اجازت نہ دی جائے۔

(۲۷)......تعلیم بالغاں کے نصاب میں ناظرہ قرآن کریم اور ضروری اسلامیات کو شامل کیا جائے۔

(۲۸)......جہاں تک ممکن ہو تعلیم بالغاں کا مرکز مساجد کو بنایا جائے۔

(۲۹)......عورتوں کے لئے تعلیم کا بالکل الگ نصاب اور نظام بنایا جائے اور مخلوط طریقہ تعلیم کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

(۳۰)......مندرجہ ذیل امور کے لئے صرف مستند علمائے دین کا انتخاب کیا جائے جن کے علم وفضل پر قوم اعتماد کرتی ہو۔

(الف)......تمام مراحل تعلیم کے لئے اسلامیات کی نصاب کمیٹی۔

(ب)......معارف اسلامیہ کی فیکلٹی کے تمام شعبے۔

(ج)......اسلامیات کی نصابی کتب کی تصنیف وتدوین۔

(د)......سنڈیکیٹ (معارف اسلامیہ کی فیکلٹی کا ڈین) اس میں شامل ہونا چاہئے۔

ذریعۂ تعلیم: زیر تبصرہ پالیسی میں انگریزی کو بحیثیت ذریعۂ تعلیم ختم کر کے قومی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی جو سفارش کی گئی ہے وہ قوم کی تمناؤں کے عین مطابق ہے۔ ہم اس سفارش کی پرزور تائید وتصویب کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ ایک آزاد اور نظریاتی قوم کیلئے بائیس سال کے عرصہ میں پست معیار تعلیم کے اسباب میں سے ایک اہم سبب انگریزی تھا۔ پالیسی میں بالکل صحیح کہا گیا ہے کہ مغربی نظام تعلیم رائج کرنے سے انگریزوں کا مقصد مسلمانوں کو علم وفن کی اعلیٰ تعلیم دینا نہ تھا، بلکہ ہندوستانی انگریز پیدا کرنا تھا جو انگریزی زبان جانتے اور سمجھتے ہوں۔ لہٰذا یہ اقدام قابل مبارک باد ہے۔ البتہ اصطلاحات اور اعداد کو بدستور انگریزی رکھنے کے سلسلے میں ان اداروں سے مشورہ کرنا چاہئے جنہوں نے ان کا اردو ترجمہ کرنے کی خدمات انجام دی ہیں۔

ضمیمہ تجاویز..... متعلقہ معیار تعلیم اسلامیات

معیار نصاب: ہماری رائے میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے نصاب کا معیار تجویز کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولوں کو بنیاد بنانا چاہئے:

ا......ہر جماعت کا نصاب اس دینی ضرورت کو کما حقہ پورا کرتا ہو جو عمر کے اس مرحلہ میں ایک مسلمان کو پیش آتی ہیں۔

۲......نصاب اتنا زیادہ بھی نہ ہو کہ وہ تمام مضامین کی مطلوبہ استعداد پیدا کرنے میں رکاوٹ بن جائے۔

۳......اتنا دقیق بھی نہ ہو کہ ذہن کے لیے ایک بار ثابت ہو۔

انہی تین بنیادوں پر ہم نصاب تعلیم وضع کرنے کے لیے طویل عرصہ سے غور وفکر اور مختلف تجربات کرتے رہے ہیں، تجربے کے لیے کئی مدارس عربیہ میں ایسے اسکول بھی قائم کیے گئے ہیں جن میں پورے سرکاری نصاب کے ساتھ مناسب حد تک دینی تعلیم کو سمویا گیا ہے۔ زیر غور تعلیمی پالیسی نے ہمیں پچھلے کئی سال کی کوششوں اور غور وفکر کے نتائج پر سوچنے اور مشاورت کا بہترین موقع فراہم کر دیا، اس موقع پر ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ معیار بھی تجویز کر دیں جو دینی تعلیمی پالیسی کا جز بننا چاہیے۔

ہم طویل غور وفکر اور جدید وقدیم ماہرین تعلیم کے مشوروں اور اپنے قائم کردہ اسکولوں کے تجربات کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ موجودہ سرکاری نصاب کی پوری تعلیم کے ساتھ بچے پانچویں جماعت تک دینی تعلیم کا وہ معیار با آسانی حاصل کر لیتے ہیں جو ہم اگلی سطور میں بیان کریں گے۔ اس اضافہ سے نہ تو ان کی صحت پر بُرے اثرات کا مشاہدہ ہوا اور نہ دیگر مضامین میں ان کی استعداد پر کسی بھی پہلو سے کمزوری کے آثار رونما ہوئے، بلکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ ان اسکولوں کے طلبہ کا معیار دینی تعلیم کے علاوہ دیگر مضامین میں بھی عام اسکولوں سے بدرجہا بہتر رہا، لہٰذا ہم پانچویں جماعت تک دینی تعلیم کے لیے مندرجہ ذیل معیار تجویز کرتے ہیں:

۱۔ قرآن کریم: (الف)...... پانچویں جماعت تک ناظرہ قرآن کریم کامل (صحیح تلفظ کے ساتھ)

(ب)...... پارہ عم کا نصف آخر حفظ (صحیح تلفظ کے ساتھ)

۲۔ اسلامیات: بذریعہ قومی زبان: اس مضمون میں مندرجہ ذیل عنوانات کی تفصیل اس انداز پر آجانی چاہیے کہ ہر جماعت میں تدریجاً اس کا معیار بلند ہوتا چلا جائے۔

(الف)...... عقائد، (ب)...... عبادات، (ج)...... اخلاق وعادات، (د)...... سیرت طیبہ

دینی تعلیم کے مذکورہ دونوں مضامین یعنی قرآن کریم اور اسلامیات کا جماعت وار معیار تعلیم اور اوقات کی تفصیل سلیبس میں بیان کردی گئی ہے۔

اسلامیات اور قرآن کریم کی الگ الگ مستقل حیثیت: البتہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ آئندہ قرآن کریم اور اسلامیات کا الگ الگ مضمون قرار دیا جائے، جب کہ موجودہ نظام تعلیم میں دونوں کو ملا کر ایک قرار دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دونوں مضمون اگرچہ بظاہر لازمی ہیں مگر عملاً اختیاری ہو کر رہ گئے ہیں کیوں کہ امتحانات میں قرآن کریم کے کل نمبر تیس اور اسلامیات کے بیس رکھے گئے ہیں۔ اب اگر کوئی بچہ قرآن کریم بالکل نہ پڑھے یا اس میں ایک نمبر بھی حاصل نہ کر سکے اور اسلامیات میں بیس میں سترہ نمبر حاصل کر لے تو وہ کامیاب تصور کیا جائے گا۔ ہماری رائے میں ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے ورنہ دونوں مضامین کی اہمیت بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ لازمی مضمون کی حیثیت دی جائے اور ان میں سے طالب علم اگر ایک میں بھی فیل ہو جائے تو اسے اگلی جماعت میں ترقی پانے سے اسی طرح روک دیا جائے، جس طرح موجودہ نصاب ونظام تعلیم میں اردو، حساب اور انگریزی میں ناکامی کی صورت میں کیا جاتا ہے۔

وقت تعلیم: دینی تعلیم کے مذکورہ معیار کو واقعی اور مؤثر انداز میں نصاب کا لازمی جز بنانے کے لیے ضروری ہوگا کہ اسکولوں کے موجودہ تعلیم کے وقت میں دو تبدیلیاں کی جائیں:

وقت تعلیم میں اضافہ: ہم طویل غور وفکر اور عربی مدارس میں چلنے والے پرائمری اسکولوں میں کئی سال کا تجربہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ پرائمری اسکولوں میں یومیہ وقتِ تعلیم ایسی جامد اور قطعی حیثیت نہیں رکھتا جس میں کسی قدر بھی کمی وبیشی ممکن نہ ہو یا اس میں معمولی اضافے کو بچوں کا مزاج یا جسمانی صحت بآسانی برداشت نہ کر سکے، بلکہ ہمارے مشاہدے اور تجربے نے یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ قرآن کریم اور اسلامیات کے سلسلے میں بڑھائے ہوئے وقت نے ایک طرف دینی تعلیم کو صحیح بنیادوں پر استوار کر دیا، تو دوسری طرف طلبہ کی صحت، چستی اور دلچسپی بھی متاثر نہ ہوئی۔ نیز دیگر مضامین کی مطلوبہ استعداد میں بھی کمی کے بجائے اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ بحالت موجودہ جبکہ دینی تعلیم کا قابل ذکر انتظام اسکولوں میں نہیں، ان میں تعلیم دلانے والے بیشتر والدین

دوسرے وقتوں میں دو تین گھنٹوں کے لیے اپنے بچوں کو مساجد اور مکتبوں میں بھیجتے ہیں، جہاں وہ قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اگر پورے ملک کے پرائمری اسکولوں کا اس پہلو سے سروے کیا جائے تو بعید نہیں کہ ایسے ہی بچوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہو۔ لہٰذا ہماری تجویز یہ ہے کہ پرائمری اسکولوں کے کل تعلیمی وقت میں جماعت اول و دوم کے لئے ایک گھنٹہ یعنی ساٹھ منٹ یومیہ کا اضافہ اور جماعت سوم تا پنجم کے لئے پچاس منٹ یومیہ کا اضافہ اس طرح جماعت اول اور دوم کا روزانہ کل تعلیمی وقت ۵ گھنٹے (۱۰ پیریڈ) اور جماعت سوم تا پنجم کا روزانہ وقت ساڑھے پانچ گھنٹے ہو جائے گا۔

اسکول کے بچے بحالت موجودہ تعلیم قرآن کی خاطر دو تین گھنٹے مکاتب اور مساجد میں صرف کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اسکول ہی کے وقت میں دو تین گھنٹے کے بجائے صرف ایک گھنٹے کا اضافہ برداشت نہ کرسکیں۔

(۲)...... بعض ایسے مضامین کا کچھ دینی تعلیم کی خاطر لے لیا جائے جن میں استعداد کا مطلوبہ معیار کچھ وقت کم کر کے بھی بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً جسمانی تعلیم و صحت، معاشرتی علوم اور عملی فنون کا جو معیار پرائمری کے نصاب میں مقرر کیا گیا ہے، اس کے لحاظ سے ان کے وقت میں اگر قدرے کمی کر دی جائے تو نصاب کی مطلوبہ استعداد پھر بھی بآسانی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ ہمارے قائم کردہ اسکولوں میں حاصل ہوتی رہی ہے اور ان مضامین میں بچے بورڈ کے امتحان میں نہایت اچھے نمبر حاصل کرتے رہے ہیں۔

مذکورہ دونوں تجاویز کو اگر عملی جامہ پہنایا گیا تو قرآن کریم اور اسلامیات کو اتنا وقت دینا ممکن ہو جائے گا جو ان کے لئے ضروری ہے۔

☆......☆......☆

تقریری امتحان کی وجوہ ترجیح تحریری امتحان پر

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کل جو تحریری امتحان رائج ہیں میں تو اس کا مخالف ہوں، اس میں طلباء پر بڑی مشقت و گرانی پڑتی ہے۔ امتحان سے مقصود تو استعداد دیکھنا ہے سو طالبعلمی کے زمانہ میں اس قدر استعداد دیکھنا کافی ہے کہ اس کتاب کو اچھی طرح سمجھ گیا یا نہیں، سو یہ بات کتاب دیکھ کر امتحان دینے سے بھی معلوم ہو جاتی ہے، باقی رہا حفظ ہونا یہ پڑھنے پڑھانے سے خود ہو جاتا ہے بلکہ طالب علمی کے زمانہ کا حفظ یاد بھی نہیں رہتا اور دماغ مفت خراب ہوتا ہے۔ میرے یہاں کانپور میں ہمیشہ تقریری امتحان ہوتا تھا اور شروح و حواشی دیکھنے کر بھی اجازت تھی جس سے طلباء دعا دیتے تھے۔ پس اس قدر دیکھ لے کہ یہ طالب علم مطالعہ سے یا شروح و حواشی کی اعانت سے بھی حل کر سکتا ہے یا نہیں اس سے زیادہ بکھیڑا ہے، اور اس رائے کو میں نے دوسرے مدارس میں بھی پیش کیا مگر امناً تو ہے عملاً نہیں ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۲/۴۳)